مفتی محمد عبدہ مصری کے تجدیدی افکار
(ادب اور فنون لطیفہ کے تناظر میں)

حافظ عقیل احمد ☆
ڈاکٹر محمد اکرم رانا ☆☆

محمد عبدہ کی شخصیت مختلف خصوصیات کا مجموعہ تھی وہ ایک اچھے استاد، ادیب، محقق، مورخ، صحافی، مصلح اور دانشور تھے ان خصوصیات کی بناء پر اگر انہیں ہشت پہلو ادیب کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا، محمد عبدہ نے کثیر الجہات پہلوؤں پر قلم اٹھایا۔ ایک طرف انہوں نے مذہب، تاریخ، تہذیب اور معاشرت کے حوالے سے لگے بندھے اور فرسودہ تصورات کے خلاف علم جہاد بلند کیا تو دوسری طرف ادب اور فنون لطیفہ کے حوالے سے علمی اجتہادات سے بھی کام لیا۔ ان کے اس کارنامے کو اجتہاد کا نام دیں یا تجدید کا، ان کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

مفتی محمد عبدہ نے عربی ادبیات کی اصلاح کے لئے بھرپور کوششیں کیں بالخصوص عربی اسلوبیات کو عہد رفتہ کی بجائے عہد حاضر کی ضرورتوں کے قابل بنایا۔ مفتی محمد عبدہ کے زمانے تک پہنچتے پہنچتے عربی اسلوب تصنع، ملمع کاری اور بناوٹ کا ایک ایسا نمونہ بن چکا تھا جس کو دیکھ کر ہی بقول عبدہ "پڑھنے والوں کے ذہن میں خوف کی سی کیفیت پیدا ہونے لگتی تھی"۔ زبان کا مقصد ابلاغ ہوتا ہے لیکن جب زبان لفظی بازی گری یا لفظی گورکھ دھندوں میں پڑ جائے تو اپنے اصل مقصد سے دور ہو جاتی ہے۔ عبدہ کے زمانے کی عربی زبان اپنے حقیقی مقصد سے دور ہو چکی تھی۔ عبدہ نے اپنی تحریروں میں عربی زبان کو تصنع، بناوٹ، ملمع کاری اور ریاکاری کے چنگل سے آزاد کرانے کیلئے نا صرف مفید تجاویز دیں بلکہ اس علمی جہاد میں عملی حصہ بھی لیا۔ ان کا خیال تھا کہ موجودہ دور کا عربی ادب لفظی

☆ حافظ عقیل احمد، اسسٹنٹ پروفیسر، گورنمنٹ پوسٹ گریجوایٹ کالج، خانیوال۔
☆☆ پروفیسر ڈاکٹر محمد اکرم رانا، شعبہ علوم اسلامیہ، بہاء الدین زکریا یونیورسٹی، ملتان۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

بازی گری بن کر رہ گیا ہے۔ خیال خوش نما لفظوں کے پیچھے ایسا جا چھپا ہے کہ بسیار تلاش کے بھی سامنے نہیں آپاتا۔ بسا اوقات تو عربی تحریر خوبصورت لفظوں کا ایسا گلدستہ محسوس ہوتی ہے جو خوشبو سے خالی ہو۔ ایسے عالم میں پڑھنے والے کی ذہنی رسائی اس خیال تک نہیں ہو پاتی جو مصنف کا مقصد ہوتا ہے۔ حساس طبیعت کے لوگ اس مغلق اور دقیق اسلوب سے قربت حاصل کرنے کی بجائے دور ہوتے جا رہے ہیں۔ عربی زبان کا یہ انداز تحریر میں قوت پیدا کرنے کی بجائے ضعف کا باعث بن رہا ہے۔ اس عمل نے زبان و بیاں کا حلیہ بگاڑ کر رکھ دیا ہے۔ اسی طرح ان کا خیال ہے کہ فنون لطیفہ کے حوالے سے اسلام میں جو تصورات فروغ پا چکے ہیں وہ گمراہ کن ہیں۔ ان خیالات کی وجہ سے اسلام کی حقیقی روح حجاب اندر حجاب جا چھپی ہے۔ فنون لطیفہ کے ذریعے اقوام کی تہذیب، ثقافت اور اخلاق و ادب کی تہذیب ہوتی ہے۔ فنون کے ذریعے ہی ایک نسل کے خیالات دوسری نسل تک پہنچتے ہیں۔ فنون اقوام عالم کے حسن و جمال اور ذوق جمال کے آئینہ دار ہوتے ہیں۔ لیکن افسوس اس بات پر ہے کہ تنگ نظر علمائے دین نے فنون لطیفہ کے حوالے سے غلط تشریحات کر کے عالم اسلام کو گمراہ کیا ہے، ذیل میں مفتی محمد عبدہ کے انہی خیالات پر تفصیل سے بحث کی جائے گی۔

محمد عبدہ کا خیال تھا کہ عربی زبان اسلام کے لئے بمنزلہ بنیاد کے ہے۔ وہ کہتے تھے کہ مسلمانوں میں اس وقت تک سچی مذہبیت پیدا نہیں ہو سکتی۔ جب تک کہ عربی زبان سے واقفیت ان میں عام نہ ہو جائے۔ عربی زبان سے ناواقفیت کے سبب مسلمانوں کی بڑی اکثریت اپنے مذہبی علوم سے بے بہرہ ہے۔ ان کے بقول قدیم عربی ادب میں علم و فضل کے ایسے جواہر پارے اور مذہبی علوم کے ایسے ایسے دُرِّ بے بہا پردہ خفا میں پڑے ہوئے ہیں کہ کوئی شخص جو عربی زبان کا ماہر نہیں ان تک نہیں پہنچ سکتا۔ لیکن وہ یہ بھی یقین رکھتے تھے کہ عربی زبان کا صحیح علم ان کتابوں سے نہیں حاصل ہو سکتا جو ازہر کے نصاب میں اس زمانہ میں شامل تھیں۔ اس لئے ضروری تھا کہ مسلم آئمہ اور علماء کی بڑی بڑی تصانیف جو ماضی کے دور دراز گوشوں میں پڑی ہوئی تھیں پھر روشنی میں لائی جائیں اور انہیں از سر نو زندگی بخشی جائے۔ اس غرض سے انہوں نے ۱۹۰۰ء میں ایک انجمن کی بنیاد رکھی جس کا نام انجمن احیائے علوم عربیہ تھا۔ امام مفتی محمد عبدہ خود اس انجمن کے صدر تھے۔

امام موصوفؒ نے ادبی اور لغوی اصلاح کیلئے شعور و آگہی پیدا کرنے کی جو کوشش کی اس کی عظمت، اہمیت اور گہرائی کو تعبیر کرنے کیلئے تحریک کا لفظ ناکافی ہے۔ اگر ہم امام موصوف کی ادب اور لغت کی اصلاح کیلئے کی گئی مساعی کو دیکھنا چاہتے ہیں تو ہمیں ان کی تحریروں کو دیکھنا چاہیے خواہ وہ تحریریں مختلف خیالات کی آزادی کیلئے تحریر کی گئی ہوں یا عربی ادب و زبان کی آزادی کیلئے۔ امام موصوفؒ نے عربی زبان کے عصر ذھبی کی بات کی ہے اور مختلف مصری واقعات میں آپ کی لکھی جانے والی تحریریں علامہ جاحظؒ (۷۷۵-۸۶۸ء) کی تحریروں کے ہم پلہ ہیں۔ آپؒ نے اپنی تحریروں کے ذریعے ممالیک اور ترکوں کے دور حکومت میں ہونے والی لفظی تحسینات اور ضعف کے اصلاح کی دعوت دی ہے۔ جنہوں نے عربی زبان کو ثقیل بنا دیا ہے۔

امام موصوف نے جب ادب و زبان کے میدان میں اصلاح کیلئے عزم کیا تو آپ بہت زیادہ حساس ہو گئے۔ صحافت کی زبان بلکہ خصوصاً اخبارات کی زبان پر نقد کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"بے شک اخبارات کا انداز و اسلوب ایسا ہے جو اہل ذوق کیلئے تکلیف اور زبان کے بارے میں حساس

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

طبیعت کے لوگوں کیلئے باعث خوف بن رہا ہے۔ یہ عاجز اور کمزور لوگ اپنی طرف سے الفاظ کو گھڑ لیتے ہیں اور پھر ان کو جن معانی میں چاہتے ہیں استعمال کرتے ہیں اور ان کے ذریعے اپنے کلام کو پروقار بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔ الفاظ کو مقدم اور مؤخر کرنے میں کوئی پرواہ نہیں کرتے اور اس بارے میں کسی ڈکشنری کی طرف رجوع نہیں کرتے اور نہ کسی اصول وقاعدہ پر چلتے ہیں اس کے ذریعے وہ زبان کے ضعف در ضعف میں اضافہ کر رہے ہیں۔ ان لوگوں نے فصاحت و بلاغت کا حلیہ بگاڑ دیا ہے۔ کیا خیال ہے ایسی امت کے بارے میں جس کے ہاں علوم کی استعداد اور ملکہ ذلت ورسوائی سے دوچار ہو جائے؟ اور وہ علم بلاغت ہے۔''[۱]

اس اسلوب پر مشتمل اخبارات کے مضامین کے بارے میں فرماتے ہیں:

''وہ اس پرانے شعر کی مانند ہیں جو مدح و مذمت کی دو عمودی لکڑیوں پر قائم ہے۔''[۲]

امام موصوفؒ نے انیسویں صدی کے نصف آخر میں صحافت پر بہت زیادہ تنقید کی حالانکہ ابھی تک آپ نے مستقل بنیادوں پر اس کی اصلاح کی کوشش کا ارادہ نہیں فرمایا تھا، اس وقت کی صحافت کا یہ عالم تھا کہ وہ وہی کچھ پھیلا رہی تھی جو حکومتی مطلوب ومقصود تھا۔ باقی بچنے والے صفحات خلیفہ، حکمران اور مالداروں کی تعریف سے معمور ہوتے تھے۔ جب کبھی خلیفہ ان میں سے کسی فرد کو تنقید کا نشانہ بناتا تو اخبارات دو ہاتھ اس سے آگے ہوتے تھے۔ اخبار کی قیمت اپنے مشتملات کے مطابق ہوتی ہے۔ اس لئے اکثر اخبارات میں لوگوں کی شرکت بلا کسی فائدہ کے ہوتی تھی۔

''روضۃ المدارس'' اور ''وادی النیل'' اور ان جیسے دیگر اخبارات کے نکالنے کا مقصد محض اپنے گمان کے مطابق ادیبوں کے علم کا اظہار تھا چاہے سمجھ میں آئے یا نہ آئے قاری کو اس سے فائدہ حاصل ہو یا نہ ہو، یہ اخبارات ان جیسی خواہشات کے حامل مالکوں کی موت کے ساتھ مر گئے پھر کوئی بھی ان کا وارث نہ رہا۔

امام موصوفؒ کی صحافت کے اسلوب پر نقد و جرح دونوں طرح سے تھی۔ الفاظ کے ساتھ مضمون بھی آپ کے پیش نظر تھا کیونکہ امام موصوفؒ ایک کامل علمی شخصیت کے حامل تھے۔ الفاظ کے چناؤ میں سجع بندی، تجنیس اور کلمات کا باہم ہم وزن لانا اس وقت کے ادبی خرافات تھے جن کو ان لوگوں نے تحسینات لفظیہ اور بدیعہ کا نام دے دیا تھا اگرچہ وہ الفاظ حکمت سے خالی ہوں اور کسی فائدہ مند اسلوب کے حامل نہ ہوں۔ ایسی صورت میں لفظی تحسینات کلام کو متوسط مقام تک نہیں پہنچا سکتی چہ جائیکہ کہ وہ کلام کو اعلیٰ مقام ومرتبہ سے آراستہ کریں۔

مصری معاشرے میں ادب اور زبان کی اصلاح کی ذمہ داری امام موصوف نے اٹھائی اور اس کو کما حقہ پورا کیا۔ لفظی تحسینات اور سجع بندی وغیرہ کی بجائے امام موصوفؒ نے عربی زبان کے قواعد کا التزام کیا اور آپ کا یہ قدم ہی مصری معاشرہ میں تبدیلی کا نقطہ آغاز ثابت ہوا یہی وجہ ہے کہ امام موصوفؒ اپنے اس اسلوب پر نہایت مطمئن تھے حالانکہ آپ سے پہلے تالیف و تحریر میں دو معروف شخصیات رفاعہ طہطاوی اور علی مبارکؒ نے اپنی تحریروں میں سجع بندی و تجنیس کا اظہار ہی نہیں بلکہ التزام کیا۔ اگرچہ امام موصوف کی تحریریں ان خیالات سے پاک تھیں پھر بھی جدید عربی نوجوان کی بیداری میں انہوں نے اہم کردار ادا کیا

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

اور قواعد عربیہ کے التزام کے باوجود ان میں نفاست، سلاست اور معانی کی دقت ان سے زیادہ تھی۔

امام موصوف نے جس طرح عربیت کی میراث کو ترقی کیلئے استعمال کیا یہ ان کا ہی کام تھا، اس کام میں اس زمانے میں کوئی بھی ان کے شریک نہ تھا اور نہ ہی کسی نے آپ سے سبقت کی۔ عصر جدید میں عرب میں تحقیق نصوص کیلئے علمی منہج کے بنانے کا سہرا بھی امام موصوف کے سر ہے۔ نصوص کی تحقیق کیلئے امام موصوف نے یہ طریقہ پیش کیا کہ اس کتاب کے مختلف نسخے جو مخطوطات کی شکل میں ہوں یا مکتوب و مطبوع شکل میں ہوں ان کو سامنے رکھا جائے اور ان کے درمیان موازنہ کیا جائے۔ پھر جو نصوص مؤلف کے مزاج اور زمانے کی رعایت کر رہی ہوں ان کو صحیح قرار دیا جائے۔ اس علمی منہج کو امام موصوف نے وضع کیا، اس سے پہلے کسی نے اس کی طرف سبقت نہ کی تھی۔ بعد میں آنے والے علماء نے بھی تحقیق نصوص کیلئے جو طریقہ کار اختیار کیا اور نقد کے جو اصول وضع کئے ہیں وہ ان میں امام موصوف کی خوشہ چین ہیں۔ اس منہج کو ڈاکٹر طہ حسین نے بھی استعمال کیا ہے، انہوں نے ۱۹۲۶ء میں فی الشعر الجاهلی نامی کتاب تصنیف کی تھی جس میں انہوں نے نقد و جرح کر کے ثابت کیا کہ جن اشعار کی نسبت دور جاہلیت کے شعراء کی طرف کی جاتی ہے ان میں سے اکثر کی نسبت درست نہیں ہے۔ اس نقد کو ثابت کرنے کے لیے انہوں نے جو اصول و ضوابط اختیار کئے ہیں وہ اصول و قواعد امام موصوف چالیس سال پہلے ۱۸۸۶ء میں ہی بیان کر چکے تھے۔ اس لئے نقد و جرح میں طہ حسین کی طرف امامت کی نسبت کرنا درست نہیں ہے۔

امام موصوف ۱۸۸۶ء میں جب جلا وطنی کے ایام کاٹ رہے تھے تو اس وقت بیروت میں فتوح الشام نامی ایک کتاب طبع ہوئی تھی جس کی نسبت علامہ واقدی کی طرف کی جاتی ہے۔ اس کتاب کے بارے میں بحث و مباحثے شروع ہو گئے بعض لوگوں نے امام موصوف سے بھی اس کتاب کے بارے میں رائے طلب کی کہ کیا یہ کتاب واقعی علامہ واقدی کی ہے؟ تو آپ نے اس کے بارے میں ایک مضمون لکھا جو نقد نصوص کے حوالے سے علمی منہج کے اہم عناصر پر مشتمل تھا۔ اس کتاب کے بارے میں اس مضمون میں رقم طراز ہیں:

> ”بے شک اگر میں یہ فیصلہ کروں کہ یہ واقدی پر بہتان ہے اور ان کی طرف جھوٹی نسبت کی گئی ہے تو میں غلطی پر نہیں ہوں گا، کیونکہ علامہ واقدی کا تعلق دوسری صدی ہجری سے تھا۔ وہ ان اہل علم حضرات میں سے تھے جن کو مامون جانتا تھا۔ مامون اور واقدی کے درمیان خط و کتابت کا سلسلہ بھی تھا۔ اس زمانے میں اس مرتبہ کا حامل شخص جب گفتگو کرتا تھا تو اپنی زبان میں کرتا تھا، اس زمانے میں زبان میں وقار، متانت، معانی کا خزانہ اور تعبیر کی ندرت ہوتی تھی، لیکن واقدی کی کتاب کو دیکھنے والا پہلی نظر میں پہچان لے گا کہ اس کتاب کی عبارت میں کلام کی ان صنعتوں کو استعمال کیا گیا ہے جو متاخرین کا اسلوب ہے۔ اس کتاب میں جو کلام صحابہ ؓ کی طرف منسوب کر کے نقل کیا گیا ہے مثلاً خالد بن ولید اور ابو عبیدہؓ وغیرہ کے کلام، وہ ان کی کلام سے بالکل مشابہ نہیں بلکہ جتنا گہرائی سے مطالعہ کریں گے تو ہر کلام میں یہ بات واضح ہو جائے گی کہ یہ اسلوب تو آٹھویں اور نویں صدی ہجری کے مصری قصہ گو افراد کا ہے۔ اس کتاب میں اہل مدینہ اور اہل عراق کا لہجہ نظر نہیں آتا۔ حالانکہ علامہ واقدیؒ

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

مدینہ میں پیدا ہوئے اور عراق میں سکونت اختیار کی تھی۔ اس جیسی بہت ساری کتب ہیں جیسے قصص الانبیاء جو ابو منصور ثعالبی کی طرف منسوب ہے، اور وہ کتب جن میں احوال آخرت، کائنات کی تخلیق اور مخلوقات کے بعض حقائق بیان کیے گئے ہیں یہ علامہ سیوطی کی طرف منسوب ہے۔ بعض قصے کہانیاں کعب احبار اور اصمعی کی طرف منسوب ہیں۔ ان سے ملتی جلتی اور بھی بہت سی کتب ہیں، لوگ صحیح و باطل میں فرق کیے بغیر ان کتب کی نسبت ان کی طرف کر دیتے ہیں حالانکہ علماء کے نزدیک ان کا کوئی اعتبار اور ان مذکور باتوں کی کوئی ثقاہت نہیں۔''[۳]

فتوح الشام جو واقدی کی طرف منسوب ہے اس پر امام موصوف نے چند باتوں کو بنیاد بنا کر تنقید کی ہے۔ ہم ذیل میں ان کا تذکرہ کرتے ہیں۔

(۱) جس کی طرف کتاب منسوب ہے ان کے زمانے کی زبان کو معیار قرار دیا ہے اور وہ دوسری صدی ہجری ہے لیکن جس معیار کی یہ کتاب ہے یہ اسلوب آٹھویں ونویں صدی ہجری کے زیادہ قریب ہے۔

(۲) مؤلف کے ادبی ولغوی ثقاہت کو معیار بنایا ہے حالانکہ امام واقدی جیسا لغت و ادب مقام کا حامل اس اسلوب سے کتاب تحریر نہیں کر سکتا۔

(۳) مؤلف کے لغوی لہجہ کو معیار قرار دیا ہے کہ مؤلف یعنی علامہ واقدی مدینہ میں پیدا ہوئے اور انہوں نے عراق میں سکونت اختیار کی لیکن کتاب کا لہجہ نہ اہل مدینہ کا ہے اور نہ ہی اہل عراق کا ہے بلکہ یہ تو مصری قصہ گو افراد کا لگتا ہے۔

(۴) کتاب میں مذکور مختلف شخصیات سے مروی اقوال کو معیار قرار دیا ہے۔ جیسے کتاب مذکور میں خالد بن ولید ؓ اور ابو عبیدہ ؓ وغیرہ کی طرف اقوال منسوب ہیں، حالانکہ ان جیسے افراد سے زبان واصول سے واقفیت کے بعد ایسے اقوال کا صدور ناممکن ہے۔

اس کتاب کی تحقیق نصوص میں جن چیزوں کو معیار قرار دیا ہے یہی بنیادی عناصر ہیں جن کو نقد نصوص اور تحقیق نصوص میں علمی منہج کے اہم عناصر شمار کیا جاتا ہے۔

امام موصوف نے اس میدان میں جو اصول وقواعد بیان کیے اور جن کو شعور وآگہی کیلئے معیار قرار دیا اس منہج کی آج تک پیروی کی جارہی ہے۔ امام موصوف نصوص کے ایک مخطوط پر اکتفاء نہیں کرتے بلکہ تحقیق نصوص کیلئے تمام مخطوطات کو زیر بحث لاتے ہیں۔ اس مقصد کے حصول کیلئے عالم اسلام کے مختلف علاقوں میں قاصد یا خطوط بھیجتے ہیں، جیسا کہ آپ نے علامہ جرجانی کی کتاب اسرار البلاغة کے مخطوطات کو جمع کرنے کیلئے ایک طالب علم کو بھیجا کہ وہ طرابلس کے مطبوعہ نسخے کے ساتھ آستانہ میں موجود نسخے کا موازنہ کرے۔ اسی طرح علامہ جرجانی کی کتاب دلائل الاعجاز کی تحقیق کیلئے علامہ محمود شنقیطی کے پاس اپنا نامکمل نسخہ بھیجا تھا۔ ایسے ہی امام موصوف نے امام مالک ؒ کی کتاب المدونة کے کامل نسخہ کے حصول کے لئے مختلف لوگوں کو خطوط لکھے جن میں مراکش کے بادشاہ سلطان عبدالعزیز، فاس کے قاضی مولانا ادریس شامل ہیں۔ ذیل میں ہم سلطان عبدالعزیز کو لکھے گئے خط کو نقل کرتے ہیں جس سے واضح ہوگا کہ امام موصوف اس میدان میں کس قدر اپنی مساعی کو صرف کر رہے تھے۔

دینی علوم کی آبیاری، مافات کے احیاء اور ان کی نشر واشاعت میں امیدیں آپ کی جناب سے وابستہ ہیں، تاکہ نفوس

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

ان کے ذریعے باادب ہوں۔ان مقاصد کے حصول کیلئے اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں یہ بات ڈال دی ہے کہ میں اس کو آپ کی عالی جناب میں پیش کروں کہ ہم نے مصر میں ایک جماعت کی بنیاد رکھی ہے۔جس کا نام ''جمعیه احیاء العلوم العربیه'' خصوصاً اس کا کام یہ ہوگا کہ اسلاف کی جو کتب مفقود ہیں ان کے بارے میں بحث ومباحثہ کریں۔تصحیح نسخہ کے بعد اس کو طبع کرائیں تاکہ گزشتہ افراد کے مٹنے والے علوم کو زندہ کیا جاسکے جو متاخرین کی خرافات کی وجہ سے ہم سے پوشیدہ ہوگئے ہیں۔اس جمعیت نے یہ ارادہ کیا ہے کہ علی بن سیدہ اندلسی کی لغت کے بارے میں لکھی گئی کتاب المخصص کو طبع کروایا جائے ،ابھی تک یہ جمعیت امام مالک کی کتاب مدونه کے بارے میں بحث کر رہی ہے، جب تک اس کو کامل نسخہ نہیں مل جاتا اس کو طبع نہیں کرایا جاسکتا۔

اس کتاب کے بعض حصے مصر میں موجود ہیں اور دوسرے بعض تیونس میں ہیں، یہ نسخے جمعیت کے ہاتھ آ گئے ہیں لیکن ابھی تک کامل نسخہ نہیں ملا جس کی صحت کی تصدیق کی جاسکے۔ہمیں یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ اس کتاب کا کامل نسخہ جامع قربین میں موجود ہے۔آپ کیلئے آسان ہے کہ کتاب کے نسخہ کامل کو ہم تک بھیج کر بھلائی کے کاموں میں ہماری مدد کریں۔یا تو کامل نسخہ ہمارے پاس بھیج دیجئے تاکہ ہم اپنے پاس موجود نسخے سے اس کا موازنہ کرسکیں اور کمی کو پورا کر کے اس کو لوٹا دیں یا اس کے متفرق اجزاء یکے بعد دیگرے بھیجئے جیسے ہی ایک جزء سے غرض تام ہوگی اس کو واپس پہنچا دیں گے۔اس کے علاوہ تکمیل طبع کے بعد ہم کتاب کے دس نسخے جامعہ کو ھدیۃً بھیج دیں گے۔[۴]

اسی مقصد کے تحت قاضی فاس کو بھی خط لکھا تھا کہ وہ مدونہ کا جامع قربین والا یا کوئی اور نسخہ ان کو بھجوا دیں۔ان مراسلات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ امام موصوف کس قدر نصوص کی تحقیق اور درستگی کا اہتمام رکھتے تھے۔اسی مقصد کیلئے آپ نے ۱۸۹۹ء میں ''جمعیت احیاء العلوم العربیة'' نامی ادارہ کی بنیاد رکھی،لیکن عملی طور پر تحقیق نصوص اور تقویم نصوص کا کام آپ نے بیروت میں جلاوطنی کے دوران ان کتب کی تدریس کرتے ہوئے شروع کر دیا تھا۔

امام موصوف کے ان اصول وقواعدِ تحقیق کا اندازہ آپ کی ان عبارات سے بھی ہوتا ہے جو آپ نے بدیع الزمان ھمدانی کے مقامات کی تحقیق کے سلسلے میں تحریر فرمائیں تھیں۔اس سلسلے میں فرماتے ہیں:

''متن کتاب کی تصحیح میں اللہ تعالیٰ نے یہ توفیق عطا کر دی کہ اس کتاب کے بہت سارے نسخے ہمارے پاس تھے۔اگرچہ ہمارے لئے روایات کے اختلاف ،غلط اور بے بنیاد پراکثر کے اتفاق کی وجہ سے ان میں سے کسی ایک کو اختیار کرنا بڑا مشکل ہوگیا تھا تو ہم نے لغوی وضع کو ہی رجوع کی بنیاد قرار دیا اور عرفی استعمال کو اپنے اعتماد کے لیے راہنما قرار دیا۔مصنف کا مرتبہ اہل زبان کے درمیان ترجیح کیلئے ترازو اور تصحیح کیلئے معیار ہے،اگر صحیح معانی کے بارے میں روایات متعدد ہیں تو ہم نے متن میں اس روایت کو نقل کیا جو وضع کے اعتبار سے اولیٰ اور قریب تر ہے،اور بعینہٖ روایات کی طرف ہم نے تعلیق میں اشارہ کر دیا ہے۔''[۵]

تقویم نصوص اور تحقیق نصوص میں مندرجہ بالا طریقہ بہت زیادہ دقیق اور بقیہ تمام مناہج میں سے جدید تر ہے،لیکن اس سے بھی حیران کن بات یہ ہے کہ امام موصوف اس منہج علمی کے اختیار کرنے میں کسی کے شاگرد نہیں بلکہ ان کا اپنا وضع کردہ

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

ہے، اپنے اس عمل کے بارے میں مقامات ھمدانی کے مقدمہ میں رقمطراز ہیں:

''میں نے اس کام کے لیے اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کی اور اس کام میں کسی سابق کی اتباع نہیں کر رہا اور نہ کوئی مثال ہے، جس کی میں پیروی کروں لیکن میرے پاس اس عمل کیلئے یہی ہتھیار ہے کہ میں طبعاً عربی اور ادبی ذوق کا حامل ہوں، لغت کی بنیادی کتب موجود ہیں، عرب کی ضرب الامثال بہت زیادہ ہیں اور زبان کے بارے ان کی گفتگو شائع ذائع ہے۔''

امام موصوف کا ادبی ولغوی اصلاح کے میدان میں ایک اور اہم مقصد یہ بھی تھا کہ آپ اس عربی میراث کو اس کی عقلی زندگی کے دور تک لوٹانا چاہتے تھے، تاکہ وہ دور حاضر و مستقبل میں تعمیر و ترقی کے لیے بہترین غذا کا کام دے سکے۔ اس میدان میں احیائی تحریک سے آپ کا مقصد یہ تھا کہ تاریک ادوار کے صفحات سے امت کو نجات مل جائے اور پھر امت کا عصر ذھبی لوٹ آئے جس میں عقل کو معیار قرار دیا جائے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے آپ نے تمام علوم کی بنیادی کتب کی اصلاح کا نہ صرف بیڑا اٹھایا بلکہ آپ نے ان کی تحقیق وتقویم نصوص کے ساتھ درست شرح بھی کی، یہ کام آپ نے جمعیت احیاء العلوم العربیہ کے توسط سے کئے۔ ذیل میں ہم ان اہم کتب کا تذکرہ کریں گے جن کی نصوص کی تحقیق اور تقویم میں آپ نے حصہ لیا۔

لغت کے حوالے سے امام موصوف نے علامہ شنقیطی کے ساتھ مل کر ابن سیدہ کی کتاب المخصص کے بارے میں تحقیق وتقویم کی کوشش کی، یہ کتاب اس میدان میں بنیادی کتاب شمار کی جاتی ہے۔ علم بلاغت کے بارے میں امام موصوف نے علامہ عبدالقاہر جرجانی کی دو کتب اسرار البلاغة اور دلائل الاعجاز کا چناؤ کیا کیونکہ یہ دو کتب بلاغت کی تنزل سے پہلے تصنیف شدہ ہیں۔ علم فقہ میں امام موصوف نے امام مالک کی کتاب المدونة کو اختیار کیا۔ علم فقہ میں اس کتاب کا مقام ومرتبہ کسی سے چھپا ہوا نہیں۔

علم منطق میں آپ نے امام طوسی کی کتاب البصائر النصیریة کو اختیار کیا۔ اس کے مقدمہ میں امام موصوف نے اس کی نام نہاد مشروح کا تذکرہ اور اس فن کے بارے میں مسلمانوں کی فکری مشکلات کا تذکرہ کیا ہے۔[۶]

ادب کے میدان میں امام موصوف نے بدیع الزمان ھمدانی کی کتاب مقامات کو اختیار کیا۔ اس کے بارے میں ہم سابقہ سطور میں تذکرہ کر چکے ہیں۔ اس کے علاوہ امام موصوف نے حضرت علیؓ کی طرف منسوب کتاب نھج البلاغة کو اختیار کیا ہے۔ عربی فکر، تاریخ اسلامی، اسلامی سیاست اور ادبی نصوص میں اس کتاب کا مقام ومرتبہ ہماری گفتگو کا محتاج نہیں ہے۔ امام موصوف نے اس کتاب کی نصوص کی تحقیق وتقویم میں بڑی جرأت کا مظاہرہ کیا ہے۔ امام موصوف نے ادبی ولغوی اصلاح میں جو راستہ اختیار کیا۔ اس نے ایسے دروازہ کو وا کر دیا ہے جس کے حجم میں علماء دین کی طرف سے اعتراضات کے ذریعے اضافہ ہوتا رہے گا۔

امام موصوف نے ادب کے میدان میں ایک نیا اصلاحی باب قائم کیا جس کے حجم میں روز بروز اضافہ ہوتا جا رہا ہے وہ باب فنون لطیفہ کا ہے، چاہے اس کا تعلق عملی آرٹ سے ہو یا رسمی آرٹ سے ہو۔ فنون لطیفہ کے ذریعے اہل ادب قوم کے سرمایہ کو دوسرے زمانے تک منتقل کرتے ہیں اسی فنون لطیفہ کے ذریعے نہ صرف قوم کی تہذیب وثقافت اور اخلاقیات کو دوام حاصل ہوتا ہے بلکہ اس کے ذریعے اخلاق ترقی کے منازل طے کرتے ہیں، لیکن تنگ نظر علمائے دین نے ہمیشہ فنون لطیفہ کو گناہ اور ناپاک

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

تصور کیا ہے اور اس کو شیطانی عمل قرار دیتے ہیں، یہاں تک کہ یہ اہل دین یہ بات بھی نہیں سوچتے کہ یہ فنون لطیفہ اسلام کے پھیلنے میں باعث بنے ہیں اور آئندہ بنتے رہیں گے، علمائے دین کی اس مخالفت کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ ان روایات واقوال کے قیدی ہیں جو اس بارے میں وارد ہوئی ہیں، ان روایات کے سامنے یہ لوگ تاویل کرنے سے عاجز ہیں، ان حالات و واقعات سے بحث کرنے سے گریزاں ہیں جن میں یہ روایات وارد ہوئیں۔ اس کے علاوہ یہ لوگ اس تغیر سے بھی ناواقف ہیں جس سے آج انسانی زندگی دوچار ہے۔ وہ حدیث مبارک جن میں مصور کیلئے وعید ہے:

''ان اشد الناس عذاباً یوم القیامة المصورون'' ۷

اسی طرح وہ روایات جو اس کے ہم معنی ہیں۔ یہ روایات ہمیشہ علمائے دین کے فنون لطیفہ کے جائز قرار دینے میں رکاوٹ بنی رہی ہیں، لیکن ان فنون کو ترقی بھی مسلمانوں کے ترقی کے ہی ادوار میں حاصل ہوئی ہے۔ امام موصوف نے اپنے اجتہاد وتجدید کے ذریعے اس کے جواز کا اعلان کیا ہے۔ انہوں نے متنبہ کیا ہے کہ اسلام ان فنون کا مخالف نہیں بلکہ ان کی ترقی کا باعث ہے۔ انہوں نے یہ بھی واضح کیا ہے، کہ فنون لطیفہ کی ترقی کی صورت میں انسانی اخلاقیات کو ترقی حاصل ہوگی اور انسان صفات کمال کے حصول کے قریب ہو جائے گا۔ امام موصوف جب ۱۹۰۳ء میں جزیرہ صقلیہ کی سیاحت کے لیے گئے وہاں پر آپ نے مختلف عجائب گھر، مقابر اور آثار قدیمہ کو دیکھا جو محفوظ تھے اور تصاویر اور مورتیوں کے ذریعے ماضی کی حکایت بیان کر رہے تھے۔ ان کو دیکھ کر امام موصوف نے امت مسلمہ میں فنون لطیفہ کی تشکیل نو کا معاملہ اٹھایا اور اس پر بڑا زور دیا۔ اس دوران آپ نے مجلہ ''المنار'' کو اپنے سفر کے مشاہدات مختلف اقساط میں بھیجے۔ ان مضامین میں آپ نے ان فنون کے بارے میں بڑی وضاحت سے لکھا اور تصاویر اور مورتیوں کے بارے میں اسلام کے مؤقف کو پیش کیا۔ اگر ہم امام موصوف کی فنون لطیفہ کے بارے میں لکھی گئی تحریروں میں غور کریں تو یہ بات واضح ہو جائے گی کہ امام موصوف کس قدر علمی ادبی ذوق کے حامل اور فنون لطیفہ کی تشکیل نو کے عاشق صادق تھے۔ یہی وہ ذوق اور عشق ہے جس نے امام موصوف کو ادبی ولغوی تجدید کے فنون لطیفہ کے پہلو کی طرف متوجہ کیا۔ امام موصوف کی امت مسلمہ کی حیات کی تجدید کیلئے اس فن کے ذریعے کی گئی مساعی سے انکار نہیں کیا جا سکتا ،اور یہ فضیلت بھی آپ ہی کے حصے میں آئی ہے۔ نقش ونگار کے بارے میں فرماتے ہیں کہ

''نقش ونگار اس فن کی طرح ہے جو شعر کے مساوی ہے جو کہ امت عربیہ کے لیے ابتداء ہی سے قابل توجہ رہا ہے۔ فرق یہ ہے کہ نقش ونگار ساکن شعر ہے جو دیکھا جاتا ہے، سنا نہیں جاتا جیسا کہ شعر ایسا نقش ہے جو سنا جاتا ہے دیکھا نہیں جاتا۔'' ۸

فنون لطیفہ کے فوائد اور ان کی حفاظت کے بارے میں گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''آثار قدیمہ کی حفاظت کرنا یعنی نقش ونگار اور مورتیوں کی حفاظت کرنا دراصل علم وحقیقت کی حفاظت کرنا اور صاحب صنعت کا اس کی تخلیق پر شکریہ ادا کرنا ہے۔'' ۹

امام موصوف کا اس معاملہ کے اختلافی پہلو میں کیا مؤقف ہے؟ یعنی ان فنون اور اہل فنون کے بارے میں اسلام کا کیا

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

مؤقف ہے؟ امام موصوف نے اس بارے میں یہ مؤقف قائم کیا ہے کہ ان فنون سے حصول منافع کیلئے ان حالات و مقاصد میں غور کیا جائے جن میں ان فنون اور اہل فنون کے بارے میں سخت وعیدات وارد ہوئیں۔ دور نبوت میں ان کی حرمت کا مقصد یہ تھا کہ مسلمانوں کو ان سے نفرت دلائی جائے کیونکہ اس وقت تصاویر اور مورتیوں کو اس لئے بنایا جاتا تھا تا کہ ان کی عبادت کی جائے یا کم سے کم ان کو دینی شعار سمجھ کر ان کی تعظیم کی جائے۔ اس لئے رسول اللہ ﷺ نے ان سے روک دیا۔ لیکن آج کل جبکہ یہ مقصد بالکل ختم ہو چکا ہے اور نقش و نگار مورتیاں عبادت و تعظیم کے شبہات سے دور ہو گئی ہیں، اور اعلیٰ ادبی ذوق کی ترقی، تاریخی حقائق، علم کی حفاظت اور منتقلی کے بارے میں ان کے فوائد بہت واضح ہیں، اس لئے اب اسلام کا مؤقف ان کے بارے میں وہ نہیں جو ابتدائی ادوار میں تھا۔ اسلام میں ایسی اشیاء کے پسندیدہ ہونے کے بارے میں کوئی شک وشبہ نہیں جو اس قدر فوائد کی حامل ہوں۔

امام موصوف نے جس وقت ادبی میدان میں اجتہادی اور تجدیدی مسلک قائم کیا، اور اس کے بارے میں شیخ رشید رضا کو مختلف مضامین ارسال کئے اور وہ مضامین ''المنار'' میں چھپ رہے تھے اس وقت امام موصوف مصر کے مفتی اعظم تھے۔ ان مضامین میں اپنے مشاہدات کو بیان کرنے کے بعد شیخ رشید رضا کو مخاطب کرتے ہوئے نقش و نگار، تصاویر اور مورتیوں کے متعلق گفتگو کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اس کلام کو پڑھنے کے بعد آپ کے سامنے ایک مسئلہ پیش کیا جائے گا اور وہ یہ ہے کہ شریعت اسلامی میں ان تصاویر کا کیا حکم ہے؟ جبکہ تصاویر کا مقصد محض انسانی انفعالات کی منتقلی ہو کیا یہ حرام ہے؟ یا جائز ہے؟ یا مکروہ ہے؟ یا مستحب ہے؟ یا واجب ہے؟ میں آپ کو کہتا ہوں: ''بنانے والے نے تو بنا دی ہیں اور بلاشبہ ان کا فائدہ بھی ثابت ہے۔ عبادت یا تصویر و مورتی کی تعظیم کا تصور ذہنوں سے مٹ چکا ہے، یا تو آپ حقیقت کے ظاہر ہونے کے بعد خود بخود اس کے حکم کو سمجھ لیں گے یا آپ یہ سوال کسی مفتی کے پاس لے جائیں گے اور وہ آپ کو بالشافہ جواب دے گا (یہ بات مدنظر رہے کہ متکلم خود مفتی ہے) [۱۰] جب آپ اس کے سامنے یہ حدیث ''ان اشد الناس عذاباً یوم القیامة المصورون'' [۱۱] یا اس کے ہم معنی احادیث پیش کریں گے تو میرا غالب گمان ہے کہ وہ آپ کو کہے گا کہ یہ احادیث بت پرستی کے زمانے میں وارد ہوئی تھیں اور اس وقت تصاویر کو دو مقاصد کے لیے بنایا جاتا تھا ایک تو لہو ولعب کیلئے ان کو بنایا جاتا تھا اور دوسرا یہ کہ نیک لوگوں کی تصاویر کو ان سے حصول برکت کے لیے بنایا جاتا تھا۔ پہلا مقصد یعنی لہو ولعب یہ دین میں ناپسندیدہ ہے (من حسن اسلام المرء ترکه مالا یعنیه)'' [۱۲]

اور دوسرا مقصد وہ ہے جس کو اسلام مٹانے کے لیے آیا ہے۔ مصور ان دونوں حالتوں میں اللہ تعالیٰ سے غافل کرنے والا ہے یا اس کے ساتھ شرک کے لیے معاون و مددگار ہے۔ جب یہ دونوں سبب ختم ہو جائیں گے اور فائدہ مقصود ہو گا تو اس وقت افراد کی تصاویر کا حکم درختوں اور نباتات کی تصاویر کی طرح ہو گا۔ حالانکہ ایسی تصاویر تو مصاحف کے حواشی اور سورتوں کے شروع میں بھی بنائی جاتی ہیں اس کے بارے میں کسی عالم نے منع نہیں کیا باوجود اس کے مصاحف میں ان کا فائدہ محل نزاع ہے، باقی رہا تصاویر کا مذکورہ صورت میں فائدہ محل نزاع نہیں ہے۔ اگر آپ کسی ایسی جگہ میں اس لئے گناہ کا ارتکاب کریں کہ یہاں پر

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

کاتب فرشتے یا کم سے کم برائیوں کو لکھنے والا فرشتہ داخل نہیں ہوگا کیونکہ یہاں تصاویر ہیں جیسا کہ بعض احادیث میں وارد ہے تو کیا آپ کا یہ گمان آپ کو کیے کی سزا سے بچالے گا (بالکل نہیں بچائے گا) کیونکہ اللہ تعالیٰ آپ پر نگران ہیں اور آپ کو اس گھر میں بھی دیکھ رہے ہیں جس گھر میں تصاویر ہیں بلکہ میرا تو خیال یہ ہے کہ آپ جب تصاویر والے گھر میں داخل ہوں تو فرشتے آپ کی رفاقت سے پیچھے نہیں رہیں گے یہ ممکن نہیں ہے کہ مفتی آپ کو جواب دے کہ تصویر میں مطلقاً عبادت کا گمان ہے، میرا گمان ہے کہ وہ آپ کو کہے گا کہ آپ کی زبان میں بھی جھوٹ کا گمان ہے تو کیا اس کو باندھنا واجب ہے باوجود اس کے اس کہ اس میں سچ اور جھوٹ دونوں کا گمان ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ میرے غالب گمان کے مطابق اسلامی شریعت علم کے افضل ترین وسائل کو حرام قرار دینے سے بہت دور ہے، جبکہ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ ان تصاویر میں دین کے بارے میں عقیدہ وعمل کے اعتبار سے کوئی خطرہ نہیں ہے، باوجود اس کے کہ مسلمان اس کے بارے میں سوال نہیں کرتے جس میں ان کا فائدہ ہے، مبادا کہیں وہ ان پر حرام نہ ہو جائے۔ زیارت قبور اور سوکن لانے کے بارے میں سوال کیوں نہیں کرتے حالانکہ اپنے گھر والوں سے اس طرح ڈرتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہوں یا اس سے بھی زیادہ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ عقائد اور عقیدہ توحید کا ان میں جمع ہونا ممکن نہیں لیکن ان میں عقیدہ توحید اور انسان وحیوان کی تصاویر کا جمع ہونا ممکن ہے کیونکہ ان تصاویر کا مقصد علمی فوائد کا حصول ہے۔"

اس طرح امام موصوف نے فنون لطیفہ کی تشکیل نو کے بارے میں شرعی فتویٰ سے ملتی جلتی تحریر لکھی۔ امام موصوف نے نہ صرف تصاویر کو علم وحقائق کی حفاظت کا ذریعہ ووسیلہ قرار دیا بلکہ ان کو علم کے بہترین وسائل میں شمار کرتے ہوئے ان کو انسانی ذوق اور لطافت کی ترقی کا باعث قرار دیا ہے۔ اسی طرح اشعار انسان میں ادبی ذوق پیدا کرتے ہیں اور اس کو کمال تک پہنچاتے ہیں، ان کی تخلیق پر اسلام میں کوئی پابندی اور ملامت نہیں ہے۔ امام موصوف نے اپنی کامل نظر وفکر کے ذریعے عربی اسلامی میراث کے احیاء کا اقدام کیا، اس احیائی عمل اور اس میدان میں آپ کی عملی کوشش ہی آپ کا اسلوب ومنہج تھا۔ آپ نے اپنے کردار کے ذریعے عربی کتابت کے اسلوب کی تجدید اور ترقی کے لئے جدوجہد کی تاکہ عربی زبان تاریک ادوار کی باریکیوں اور لفظی تحسینات سے پاک ہو جائے۔ اسی طرح فنون لطیفہ کی تشکیل نو کو اپنے مضبوط مؤقف کے ذریعے اور عربی زبان کو ایک نئی بنیاد پر تعمیر کرنے کا عزم کیا اور اس کے لئے دعوت بھی دی، یہاں تک کہ آپ کی آواز اس عشق ومحبت میں بہت بلند ہوتی چلی گئی، اور وہ آواز تھی کہ مشرقی عقل اور مشرقی زندگی کی تجدید واصلاح کی جائے، اس اصلاح کے لیے آپ نے دو منشور پیش کیے۔

نمبر ایک دینی اصلاح کے ذریعے عقل کو تقلید کی قید سے آزاد کیا جائے اور دوسرا تھا ادبی، لغوی اور فنون لطیفہ کی تحریک کو بیدار کیا جائے اور یہ دونوں عمل وہ تھے جو آپ کی سیاسی فکر کے ساتھ اہم مقاصد میں شامل تھے، جن کا آپ نے ارادہ کیا اور ان کو ثابت کرنا چاہا۔ امام موصوف کے یہ وہ مؤقف تھے جو مشرقی زندگی اور اسلام پر اثر انداز ہوئے اور آج تک ہو رہے ہیں۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com

اورنگ زیب عالمگیر کی اصلاح میں خواجہ معصوم مجددی سرہندیؒ کا کردار

محمد فراہیم ☆

مطلق العنان سلطنتوں میں بادشاہ کی ذات ہی تمام اختیارات کا سرچشمہ ہوتی ہے اگر بادشاہ کی شخصیت عقل ودانائی، تقویٰ وپرہیزگاری، عدل وانصاف اور جرأت وشجاعت جیسے اوصاف سے مزین ہوتو فرمانروائی کا پورا نظام بندگان خدا کی خدمت اوران کی بھلائی اور خیر کے کاموں میں مصروف ہوجاتا ہے اوراگر معاملہ اس کے برعکس ہوتو حکومت وسلطنت کا اقتدار ظلم وستم، فتنہ وفساد اور ضلالت وگمراہی کے پھیلانے کا سبب بن جاتا ہے، اسی لیے حضرت مجدد الف ثانیؒ نے بادشاہ وقت کی اصلاح پر خصوصی توجہ دیتے ہوئے فرمایا:

"سلطان کالروح است وسائر انسان کالجسد، اگر روح صالح است بدن صالح است، اگر روح فاسد است بدن فاسد"[1]

ترجمہ: [سلطان روح کی مانند ہے اور رعایا جسم کی مانند، اگر روح صالح ہوتی ہے تو جسم بھی صالح رہتا ہے اگر روح فاسد ہوجاتی ہے تو بدن میں بھی فساد پڑ جاتا ہے۔]

خواجہ محمد معصومؒ نے مذکورہ بالا فرمان مجددی کی اہمیت کو مدنظر رکھتے ہوئے اور داراشکوہ کے زیر سایہ پروان چڑھنے والی آزاد خیال اور بے دینی تحریکوں کے اثرات کو معاشرہ سے زائل کرنے کے لیے حق کے طالب شہزادہ عالمگیر سے اپنا تعلق قوی کیا اوراس کی تربیت میں بھرپور حصہ لیا۔

سلطان اورنگ زیب عالمگیرؒ:

آپ شاہ جہاں بادشاہ کے تیسرے فرزند تھے آپ کی ولادت ۱۵/ذیقعدہ ۱۰۲۷ھ بمطابق ۲۴/اکتوبر ۱۶۱۸ء کو احمد

☆ ڈاکٹر محمد فراہیم، لیکچرار سراج الدولہ گورنمنٹ کالج، ایف۔سی۔ایریا، کراچی۔

PDF created with pdfFactory Pro trial version www.pdffactory.com